ابوالخیر مودودی

ہندوستان کی معاشی حالت پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا اثر

(I)

ہم نے المعارف کے ایک اداریے میں لکھا تھا کہ برصغیر کے ملک عالمی مالیاتی اداروں کے زیر اثر اس حد تک آگئے ہیں کہ ایسٹ انڈیا کمپنی دوسرا جنم لے کر واپس آرہی ہے۔ یہ امر اکیسویں صدی کا ایک المیہ ہوگا۔ گزشتہ دنوں معروف سکالر ڈاکٹر محمد خالد مسعود (پروفیسر ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد) نے ہمیں مرحوم مولانا ابوالخیر مودودی کے دو مطبوعہ مضامین "ہندوستان کی معاشی حالت اور ایسٹ انڈیا کمپنی" بھیجے، جو اعظم گڑھ یوپی کے اردو مجلّہ "معارف" جولائی اور اگست ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئے تھے۔ ان مضامین میں مولانا موصوف نے تفصیل سے بتایا تھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی "تاجرانہ بصیرت" لوٹ کھسوٹ اور مکر و فریب کے سوا کچھ اور نہ تھی، لیکن اس مکروہ کاروبار کے لیے کمپنی کو اورنگ زیب عالمگیر کے نالائق جان نشینوں اور ضمیر فروش درباریوں نے اکسایا۔ ڈاکٹر موصوف (محمد خالد مسعود) کی رائے ہے کہ اس قیمتی مضمون کو "قند مکرر" کے طور پر دوبارہ شائع ہونا چاہیے۔

یاد رہے کہ ۱۹۹۳ء میں المعارف میں دارا شکوہ، اورنگ زیب اور سرمد پر مولانا موصوف کے تحقیقی مقالات چھپ چکے ہیں۔ جنہیں

اہل علم نے پسند فرمایا تھا۔ مولانا خودداری، قناعت پسندی اور وقار و تمکنت کی مجسم تصویر تھے۔ مولانا کیا گئے "کہ روٹھ گئے دن بہار کے۔" بے شبہ مولانا چلے گئے، لیکن "ہمارے دلوں سے نہ جاسکے۔"

(ادارہ)

ذیل کا دلچسپ اور پر از معلومات مضمون آیا ہوا، کاغذات میں پڑا رہ گیا تھا، صاحب مضمون کی داد دینی چاہیے کہ انہوں نے "صبر ایوبی" سے کام لیا، اور دستور زمانہ کے مطابق انہوں نے اس کی اشاعت کا کبھی تقاضا نہیں کیا، آج ہم اس امانت کو اصل مالکوں (ناظرین) تک پہنچانے کا فرض ادا کرتے ہیں، صاحب مضمون بہتر ہوتا، اگر اس کے اصل ماخذ کا پتہ بھی بتا دیتے، کہ حوالہ اور مزید استفادہ میں آسانی ہوتی۔ (معارف)

کمپنی کی ابتدا

سولہویں صدی کا آخری دن، انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا دن تھا، انگلستان کے تاجر مشرق کی زرخیز منڈی اور خاص کر ہندوستان کی بے پایاں دولت کے افسانے سن سن کر للچا رہے تھے، جس پر ایک صدی سے ان کا بحری رقیب (پرتگال) بلا شرکت غیرے قابض تھا اور اس کی زبردست قوت ان کی نوخیز جوشیلی امنگوں کو طمع دلا رہی تھی کہ یہ بھی اپنے استعمار بحری کی کوششوں کا مرکز اسی کے ساحلوں کو بنائیں۔ اگرچہ انگریز تاجروں کے کاروبار جزائر شق الہند میں اب بھی پھیلے ہوئے تھے، لیکن اول تو اتنے دور دراز مقامات پر تجارت کی انفرادی کوششوں کے لیے کامیابی کے مواقع بہت کم تھے، دوسرے اس زمانے میں پرتگال مشرق کا تنہا بحری مالک بنا ہوا تھا، جس کی منظم قوت کے مقابلے میں انگریز تاجروں کی انفرادی جدوجہد کسی طرح بارآور نہیں ہوسکتی تھی، اس لیے لندن کے انگریز تاجروں نے یہ محسوس کیا کہ انہیں متحدہ قوت

اور سرمایہ سے باقاعدہ تجارت کرنی چاہیے' اور حکومت سے علاوہ تجارت کی اجازت کے جان و مال کی حفاظت کے لیے دفاعی قوت رکھنے کا بھی اختیار حاصل کرنا چاہیے' اس زمانہ میں انگلستان کے تخت پر ملکہ الزبتھ متمکن تھی' جو اپنی قوم کو دنیا کے چپہ چپہ پر پھیلا ہوا اور آباد و خوش حال دیکھنا چاہتی تھی' اس نے انگریز تاجروں کے اس ترقی خواہ شوق کی قدر کی اور ۳۱ دسمبر ۱۶۰۰ء کو اپنی: " قوم کی عزت' رعایا کی دولت' جہاز رانی کی ترقی اور مرتب و منظّم تجارت کے ذریعے دولت عامہ کے ازدیاد" کی خاطر کمپنی کو ایک منشور عطا کیا' جو راہ ترقی میں انگریز قوم کا پہلا مگر مضبوط ترین قدم تھا اور جس کا نتیجہ ہندوستان پر برطانوی حکومت ہے' یہ کمپنی لندن کے (تقریباً) ۲۰۰ تاجروں نے ارل آف کمبر لینڈ کی رہنمائی میں ۷۰ ہزار پاؤنڈ کے سرمایہ سے قائم کی تھی اور اس کا نام " جزائر شرق الہند میں تجارت کرنے والے لندن کے گورنر اور تاجر" تھا' کمپنی کو اس منشور کی رو سے' راس امید سے میجلان کی آبناؤں تک' (عیسائی حکومتوں کے مقبوضات کو چھوڑ کر) تمام آبادیوں میں تجارت کی اجازت مل گئی' انفرادی تجارت بند کر دی گئی' اور ان انگیز تاجروں کو جو بحر ہند میں کمپنی سے علیحدہ رہ کر تجارت کر رہے تھے تاج کا نافرمان قرار دیا گیا' اسی کے ساتھ کمپنی کو جنگی جہازوں' بحری فوج اور سامان جنگ کے متعلق بھی خاص رعایتیں عطا کیں' اور یہ حق بھی دیا کہ جو انگریز تاجر بحر ہند میں انفرادی تجارت کرتے پائے جائیں' ان کا مال و متاع معہ جہازوں کے ضبط کر لے۔

کمپنی کا کام

کمپنی نے منشور حاصل کرتے ہی سواحل ہند کے ادنیٰ افسروں سے مل کر مختلف مقامات پر کاروبار پھیلا دیئے' اور پھر جگہ جگہ زمینیں لے لے کر

کوٹھیاں، بحری اسٹیشن اور مال گودام بنانے شروع کر دیئے، لیکن بغیر شاہی حکومت کی اجازت کے، اس طرح زیادہ مدت تک کام نہیں چل سکتا تھا، اور کاروبار میں ترقی و توسیع کی تو بالکل کوئی صورت ہی نہ تھی، اس لیے کمپنی نے اپنی ملکہ سے شہنشاہ اکبر کے دربار میں سفارت بھیجنے کی درخواست کی، سر جان ملڈن ہال، الزبتھ کا پہلا سفیر تھا جو ۱۶۰۳ء میں آگرہ پہنچ کر ۱۶۰۵ء تک مقیم رہا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اکبر سے ویسی ہی مراعات حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا، جیسی مراعات کچھ عرصہ قبل دولت برطانیہ سے انگریز تاجروں کو حاصل ہوچکی تھیں، لیکن یہ بات قابل اعتبار نہیں ہے، ملڈن ہال کے بعد ہاکنس، ہنٹگ، کیرج اور ایڈورڈ یکے بعد دیگرے سفیر ہو کر آئے، مگر وہ مشرق کے درباری آداب سے ناواقف ہونے کے باعث کوئی اثر پیدا نہ کرسکے، آخر ۱۶۱۵ء میں چارلس اول نے سر تھامس رو کو سفیر مقرر کر کے بھیجا، وہ اس سے پہلے عثمانی دربار میں رہ کر مشرقی آداب سے واقف ہوچکا تھا، اس لیے وہ بہت کامیاب رہا، اور اس نے جہانگیر کی حکومت میں اچھے اثرات پیدا کر کے انگریزی تجارت کے لیے بہت سی رعایتیں حاصل کرلیں۔

اتفاق سے اسی زمانہ میں کچھ ایسے اسباب پیدا ہوگئے، جنھوں نے مغل فرمانرواؤں کو ان کی طرف مائل کردیا، پرتگالی قزاق بحری ایک عرصہ سے بحرہند میں پھیلے ہوئے تھے اور ہمیشہ ہندوستان کے ساحلوں پر چھاپے مارتے رہا کرتے تھے، حکومت مغلیہ اپنے انتہائی عروج کے زمانہ میں بھی، سمندروں میں کمزور تھی، اس لیے ان قزاقوں کا تدارک اس کی قدرت سے باہر تھا، اس کی وجہ سے یہاں کی بحری تجارت بالکل برباد ہو رہی تھی، اور حج کی راہ بھی اتنی پر خطر ہوگئی تھی کہ صرف وہی لوگ طواف کعبہ کا ارادہ کرتے تھے جنہیں راہ حج میں شہادت کی تمنا ہوتی تھی، ایسی صورت میں نوخیز انگریزی قوت کا ہندوستان کے

ساحلوں پر نمودار ہونا بہت بروقت تھا' جو حسن اتفاق سے پرتگال کی رقیب تھی' اس پر انہوں نے ساحلی حاکموں سے اپنا اس طرح تعارف کرایا۔ ۱۶۱۲ء کے اواخر میں پرتگالیوں کے ایک زبردست بیڑے کو اپنی مختصر سی قوت سے تاپتی کے دہانہ پر شکست فاش دے کر بھگا دیا۔ مغل حاکموں پر ان کی اس فتح کا بہت اچھا اثر ہوا' انہیں پرتگال کے بحری قزاقوں کا قلع قمع کرنے کے لیے جس قوت کی ضرورت تھی' وہ ان میں موجود تھی' اس لیے وہ انہیں ایک کارآمد قوم سمجھنے لگے اور بندرگاہ سورت' کیمبے' گوگو' اور احمد آباد میں کوٹھیاں بنانے کی اجازت دے دی۔

پرتگالیوں نے ۱۶۱۵ء میں اس ہارے ہوئے میدان کو پھر جیتنا چاہا اور اپنی ساری قوتیں جمع کر کے پھر اسی جگہ لڑائی کی ٹھانی' جہاں شکست کھائی تھی۔ انگریزوں میں اس مقابلہ کا بالکل دم نہ تھا' مگر قسمت نے ان کی مدد کی' پرتگالیوں نے حماقت سے دریا کے کنارے پر ریگستانی ساحل کے پرپیچ رستوں میں اپنی زبردست قوت کو آوارہ کر کے برباد کر دیا' یہ دیکھ کر انگریزوں کی ہمتیں بڑھ گئیں' اور ان کی مٹی بھر فوج نے پرتگالیوں کو ایسی شکست دی جو نومبر ۱۶۱۲ء کی شکست سے بھی زیادہ فاش اور فیصلہ کن تھی' اس کے بعد بحر عرب میں پرتگال کی قوت روز بروز کمزور ہوتی گئی۔ آخر ۱۶۳۲ء کی آخری شکست نے میدرڈ کا صلح نامہ مرتب کرایا' جس میں پرتگال نے مشرق کا میدان بالکل ہار دیا اور انگلستان کے لیے ہندوستان کی تجارت کا رستہ بہت کچھ صاف کر دیا۔

کمپنی کی ترقی

پرتگالیوں کو شکستیں دے کر' ان کی بحری قوت کو توڑ دینے کی وجہ

سے کمپنی کو مغلوں کی بحری پولیس کا درجہ حاصل ہوگیا' اور اس پوزیشن نے اسے فطری چالاکیوں کے باعث ہندوستان کے ساحلوں کا مالک بنا دیا' پہلی ہی کوشش میں ایک اچھا بحری موقف (سورت) اس کے ہاتھ آگیا تھا' مگر یہ برابر اسی کوشش میں لگی رہی کہ تمام اچھے اچھے ساحلی اور غیر ساحلی مقامات میں اپنی کوٹھیاں قائم کردے' اور بالاخر اس میں کامیاب ہوئی۔ ۱۶۱۶ء میں زیمرین نے اپنے پایہ تخت کالی کٹ میں جگہ دی۔ ۱۶۲۹ء میں ہگلی پر کوٹھی قائم کرنے کی اجازت ملی۔ ۱۶۲۶ء میں مدراس سے ۷۰ میل اوپر ارگیمان میں کوٹھی اور قلعہ بنانے کی منظوری ملی۔ ۱۶۳۴ء میں ہیبلی (بنگال) میں تجارتی مرکز قائم کرنے کا فرمان ملا اور ۱۶۳۹ء میں چندرگری کے راجہ نے فرانسس ڈے کو ترچناپٹم میں قلعہ بنانے کی اجازت دی' جو سینٹ جارج کے نام سے مشہور ہے۔ اور جسے موجودہ شہر مدراس کا بنیادی پتھر کہنا چاہیے' پھر ۱۶۶۱ء میں چارلس اول نے پرتگال کی شہزادی کیتھرائن برنگانز سے شادی کرکے جہیز میں بمبئی کا بہترین قدرتی بندرگاہ حاصل کیا' اور فوراً ہی ۱۸ پونڈ سالانہ (لگان) پر کمپنی کو دے دیا' اس کے بعد ۱۶۹۰ میں جاپ چرنک نے فورٹ ولیم تعمیر کیا' جو ترقی کرکے کلکتہ کا عظیم الشان شہر بن گیا۔

مقبوضات کی تنظیم

اس روز افزوں ترقی و کامیابی نے کمپنی کے حوصلے بہت بڑھا دیئے اور اب اس نے کوٹھیوں کے ساتھ تھوڑے تھوڑے علاقے ملحق کرکے ان کو بحری استحکامات سے مستحکم کرنا شروع کردیا۔ یہ کام سرانجام کرکے اپنے مقبوضات میں چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کیں' اور مدراس و بمبئی کو ان کا مرکز قرار دیا۔ بعد میں ایک کے ماتحت مشرقی ساحل تھے اور دوسری کے ماتحت مغربی' بات یہ

تھی کہ یہ مقامات دارالسلطنت سے بہت دور تھے اور حکومت کی ان کی طرف کچھ زیادہ توجہ بھی نہ تھی۔ اس لیے یہاں کمپنی کو من مانے عمل دخل کا موقع مل گیا۔ مگر بنگال کے علاقہ میں اس کی گنجائش نہ تھی، کیوں کہ وہاں حکومت کی قوت پوری طرح مضبوط تھی اور اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ مغل گورنر کے ماتحت محدود تجارت کرے۔

کمپنی کی حریف قوتیں

کمپنی نے جب ہندوستان کے ساحلوں پر قدم رکھا تو یہاں بحری تجارت کا میدان اس کے لیے خالی نہ تھا۔ بہت سی یورپین قوتیں اس کی حریف تھیں۔ معاملات میں دوست و شمن تھے، کمپنی کو کامل ڈیڑھ سو برس اپنے ان حریفوں سے مقابلہ کرنے پڑے، اور بالآخر وہ نہایت شدید معرکوں کے بعد اپنا مرکز قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی، یہ معرکے جن حریف رقیبوں سے ہوئے ان میں ڈچ، پرتگیز اور فرنچ خاص طور پر نمایاں ہیں۔

سترہویں صدی کے اوائل میں ڈنمارک نے مشرقی تجارت کا حصہ دار بننا چاہا، اور ۱۶۱۲ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کر کے کاروبار شروع کر دیا، مگر تھوڑے ہی دنوں میں تجارت نے مذہبیت اختیار کر لی، رو ڈچ پادری ٹنادیلی، تنجور، بالاسور اور سیرام پور وغیرہ میں مذہبی تبلیغ کرنے لگے، تاہم ان لوگوں نے نہایت عمدہ اصولوں پر تجارت کی اور اگر مرکزی حکومت کمپنی پر قبضہ کر کے نااہل منتظم مامور نہ کرتی، تو بہت ممکن تھا کہ یہ کمپنی برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کا چراغ نہ جلنے دیتی۔

دوسری حریف قوت پرتگال تھی، جو ایک صدی سے بحرہند کی تجارت پر قابض تھی، لیکن اس کے مذہبی تعصب، لوٹ مار، قتل و غارت اور وحشیانہ

برتاؤ نے ملک و حکومت کو اس سے متنفر کر دیا تھا' اس لیے سواحل ہند پر انگریز کمپنی کے نمودار ہوتے ہی بڑے تپاک سے اس کا خیر مقدم کیا گیا' اور اس طرح یہ آغاز ہی میں اپنے ایک زبردست حریف کو دبا لینے میں کامیاب ہو گئی۔

لیکن انگریزی تفوق کے سب سے زیادہ حریف فرانسیسی ثابت ہوئے' پہلے پہل ۱۶۱۸ء میں فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی نے سورت اور گول کنڈہ میں کوٹھیاں بنائیں' پھر ۱۶۷۲ء میں پانڈے چری کو خرید کر وہاں قلعہ اور کوٹھی تعمیر کی' انگریزوں کی طرح ان کا مطمح نظر بھی یہی تھا کہ ہندوستان کی بحری تجارت پر قبضہ کریں' اور بحر ہند میں کسی ایسی قوت کو نہ رہنے دیں جو کسی وقت ہمارے تفوق کو چیلنج کر سکے' یہاں دلوں میں یہ خیال تھے کہ وہاں دونوں کے درمیان ایک طویل جنگ جاری ہو گئی' جس کے بہانے تو بہت تھے۔ مگر اصل مقصد وہی بحری و بری تفوق تھا۔ اس وقت فرانس کی استعماری پوزیشن ہر جگہ بہت بڑھی ہوئی تھی۔ جسے دیکھ کر ولیم آرنج کو رشک پیدا ہوا اور اس نے فرانس کی استعماری کامیابیوں کو روکنے کے لیے دول یوروپ سے ساز باز کئے' جس کا نتیجہ جنگ صد سالہ (۱۶۸۹ تا ۱۷۸۳ء) تھا' یہ عداوت ہندوستان کے انگریز اور فرنچ تاجروں میں بھی منتقل ہوئی۔ وہ ایک دوسرے کے خلاف کوششیں اور سازشیں کرنے لگے' مگر ۱۷۴۰ء تک دونوں کے درمیان کوئی اہم تصادم نہیں ہوا' حالانکہ یورپ میں اب تک دو جنگیں (ہشت سالہ ۱۶۸۹ء تا ۱۶۹۷ء اور یازدہ سالہ ۱۷۰۲ء تا ۱۷۱۳ء) ہو چکی تھیں' اور تیسری کی تیاری تھی' آخر یہاں بھی دلوں کے غبار تھے۔ کرناٹک کے مسئلے نے دونوں آتش گیر مادوں کو ٹکرایا اور ۳۰ برس کے لیے جنوبی ہند کو آتش زار بنا دیا۔ کرناٹک کی پہلی جنگ ۱۷۴۴ء میں شروع ہوئی۔ (یہ وہ زمانہ تھا جب یورپ کے میدان میں انگلستان' آسٹریا کی حمایت میں لڑ رہا تھا) اور ٹھیک اس زمانہ میں ختم ہوئی جب یورپ میں ایکس

لاچپل کی صلح (۱۷۴۸ء) ہوئی۔ اس لڑائی میں فوجی تصادم کے لحاظ سے اگرچہ فرانسیسی کامیاب اور انگریز ناکام تھے' مگر نتائج کے اعتبار سے غالب و مغلوب دونوں برابر تھے۔ فرانسیسیوں کی کامیابی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کا قائد' ڈوپلے ایک مدبر جنرل تھا اور اس نے ہندوستانی سپاہیوں کو فرنچ طریقہ پر تربیت دے کر اپنی قوت بہت بڑھا لی تھی۔ دوسری جنگ ۱۷۴۹ء میں شروع ہوئی۔ اب انگریزوں کے پاس کلائیو جیسا پیدائشی جنرل تھا اور فرنچ گورنمنٹ نے ڈوپلے کی راہ میں انتہائی مشکلات پیدا کر کے اسے بالکل نہتا کر دیا تھا۔ اس لیے انگریز غالب اور فرانسیسی مغلوب تھے۔ انہوں نے ترچناپلی میں ہتھیار ڈال دیئے۔ (۱۷۵۲ء) لیکن فرنچ گورنمنٹ کی آنکھیں اس کے بعد بھی نہ کھلیں' اس نے ۱۷۵۴ء میں ڈوپلے کو واپس بلالیا اور اس کی جگہ ایک ایسا نااہل گورنر بھیجا' جس میں نہ حالات کو سمجھنے کی صلاحیت تھی' نہ قوت عمل' اس کا نقطہ نظر بالکل تاجرانہ تھا' اور وہ اس اصول سے قطعاً" بے خبر تھا کہ ایک ایسی قوم کے مقابلہ میں جو تلوار سے اپنا تجارتی تفوق قائم کرنا چاہتی ہے۔ صرف تلوار ہی سے اپنی تجارت کو قائم رکھا جاسکتا ہے۔ اس کے بنئے پن اور فرنچ گورنمنٹ کی کمزور پالیسی نے فوراً اپنا اثر دکھایا' ڈوپلے کے جاتے ہی سانڈرس کی گورنمنٹ نے اعلان جنگ کر دیا' کرناٹک کی تیسری جنگ بھی اپنے فیصلہ کن نتائج کے ساتھ شروع ہوگئی۔ (جنوری ۱۷۶۰ء) اور سرائرکوٹ نے وانڈی واش پر فرنچ قوت کو بالکل توڑ دیا' پھر ۱۷۶۱ء میں ایرکوٹ کے آگے فرنچ انڈیا کا دارا لحکومت (پانڈے چری) بھی تسلیم کر دیا گیا' اور آخر ۱۷۶۳ء کی صلح پیرس پر کرناٹک کی جنگ معہ ڈوپلے' بسی اور لالی کی پریشان خوابیوں کے ختم ہوگئی۔

اب ہندوستان انگریزوں کے تمام یورپین حریفوں سے خالی تھا۔

کمپنی کا مقصد

لیکن باوجود ان فوجی کارروائیوں کے نہ صرف سترہویں بلکہ اٹھارھویں صدی کے اوائل تک انگریزوں کو ہندوستان پر حکومت کرنے کا خیال نہ تھا، اور نہ مغلوں کی عظیم الشان قوت کی موجودگی میں انہیں اپنے چند جنگی جہازوں پر اتنا غرہ ہوسکتا تھا، ایک صدی تک ان کا مقصد محض تاجرانہ تھا اور ان کی ساری کوششیں اسی مقصد کی کامیابی میں مرکوز تھیں۔ وہ اس سے زیادہ کچھ اور نہ چاہتے تھے کہ بحرہند سے تمام یورپین رقیبوں کو نکال کر ہندوستان کی تجارت کو اپنے لیے مخصوص کرلیں۔

لیکن پھر سوال یہ ہے کہ یہ تجارتی مقصد حکومت اور ملک گیری کی صورت میں کیسے بدل گیا؟ یہ مسئلہ ہندوستان کی تاریخ کا ایک دلچسپ باب ہے، مگر یہاں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ اس پر تفصیلی بحث کی جائے، یہ گفتگو ایک مستقل صحبت چاہتی ہے۔ یہاں قارئین کرام کے لیے اتنا اشارہ کافی ہے کہ یہ مطمع نظر انگریزوں کا اپنا نہ تھا، بلکہ ایک فرنچ مدبر سپاہی کا تھا۔ جس نے اپنے متخیلہ دماغ میں فرنچ امپائر کا قصر تعمیر کرنے کا منصوبہ باندھا تھا۔ انہوں نے یہ عظیم الشان سلطنت اسی کے نظام عمل کو دلیل راہ بنا کر حاصل کی ہے۔

دولت مغلیہ کا تنزل

۱۷۰۷ء میں اورنگزیب کی آنکھ بند ہوتے ہی دولت مغلیہ جسم بے جان ہوگئی، اورنگزیب نے اس پورے ملک کو ایک علم کے نیچے لانے کے لیے جو زبردست کام شروع کیا تھا، موت نے اس کے سرانجام سے پہلے ہی مستقبل کے آگے اس کو سر جھکانے پر مجبور کردیا، اس کے بعد اس کے جانشینوں میں ایک بھی ایسا نہ ہوا، جو مزید فتوحات نہ سہی، کم از کم اپنی حاصل منزلت ہی کو قائم رکھ سکتا۔ آخر اصل کارفرماؤں کے روز افزوں ضعف سے سلطنت کا

شیرازہ بکھر گیا، نئی نئی قوتیں ابھرنے لگیں، سارا ملک خودمختاری و لامرکزیت کے جراثیم سے ماؤف ہوگیا، شاہی دربار کی بدعنوانیوں سے صوبہ داروں کو خود مختاریوں کے اعلان پر مجبور ہو جانا پڑا، دکن میں نظام الملک آصف جاہ نے، اودھ میں سعادت علی خان برہان الملک نے، اور بنگال میں جعفر خان مرشد قلی نے اپنی اپنی آزاد حکومتیں قائم کیں، مرہٹوں کی نوخیز منچلی قوت جس کو پوری طرح کچلنے سے پہلے اورنگ زیب کا انتقال ہوگیا تھا، پھر ابھری اور اس شدومد سے ابھری کہ سارے ملک میں پھیل گئی، اور اگر پانی پت کے میدان میں احمد شاہ ابدالی سے ٹکرا کر پاش پاش نہ ہو جاتی تو شاید آج سارا ہندوستان اسی کی روندوں میں ہوتا۔ پنجاب میں سکھوں کی جوان قوت نے غیر معمولی جنگی روح کے ساتھ جنم لیا اور بدامنی کا ایک مستقل سلسلہ قائم کر دیا۔ غرض ایک طرف سارا ہندوستان خود مختاریوں، اور نئی نئی قوتوں کے باہمی تصادم سے پامال ہو رہا تھا اور دوسری طرف دہلی شاہجہانی تخت پر ایسے کمزور و آرام طلب بادشاہ متمکن تھے جو بادشاہ گر جنرلوں، خود غرض وزیروں، نمک حرام درباریوں اور محل سرا کی عورتوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی کی طرح حرکت کرتے تھے۔

تجارت سے ملک گیری

ان حالات میں ایک امنگوں بھری نوخیز قوت کے لیے کسی زرخیز ملک کو فتح کرنے کا خیال ایک فطری بات ہے، فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹر جنرل، ڈوپلے نے اس موقع سے بہترین فائدہ اٹھانے کے لیے ہندوستان کی حریف قوتوں کو متفرق و حکومت کے اصولوں پر باہم ٹکرانے اور حکومت کرنے کی اسکیم طیار کی، اس نے ایک حکومت کے دو دعوے داروں میں کمزور کا ساتھ دینے اور اس کو برائے نام تخت پر بٹھا کر عملاً خود حکومت کرنے کا سلسلہ

شروع کر دیا، اور اس میں خاصا کامیاب رہا، لیکن انگریزوں کا ستارہ عروج پر تھا، فرنچ گورنمنٹ نے اپنے لیے یورپ کے میدان کو زیادہ مفید سمجھا اور ڈوپلے کو واپس بلا لیا، مگر انگریزوں نے تجویز کے اس نقشہ پر پورا پورا عمل کیا اور اسی میں اپنی تمام قوتیں مرکوز کر دیں، جس کا نتیجہ صرف یہی نہیں ہوا کہ فرنچ قوت کا ہندوستان سے کلیتہً استیصال ہوگیا، بلکہ اس کی وجہ سے انگریز قوم سارے یورپ کے علی الرغم ایک شاندار مستقبل کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

غاصبانہ فتوحات

کمپنی نے اس سلسلہ میں پہلا ہاتھ بنگال پر مارا، جو اس کی تمناؤں کا دیرینہ کاشانہ تھا، اور ۱۷۵۷ء میں سراج الدولہ کو آخری شکست دے کر بنگال، بہار، اور اڑیسہ کو ٹھیکہ پر دینے لگی، پھر ۱۷۶۵ء میں شاہ عالم ثانی سے "دیوانی" کی سند لے کر نوابی کا برائے نام سلسلہ بھی ختم کر دیا، ۱۷۷۵ء میں نواب آصف الدولہ سے بنارس کا علاقہ لے کر راجہ جیت سنگھ کو آئے دن کے گرانقدر مطالبوں سے تنگ کر دیا، اور جب اس نے ان کی ادائی سے معذوری ظاہر کی تو معزول کر کے قید کر دیا، میسور کی زبردست قوت، جو یکے بعد دیگرے حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی قیادت میں کمپنی کے لیے ایک زبردست خطرہ تھی۔ ۱۷۹۹ء میں ٹیپو کی جان کے ساتھ ختم ہوگئی۔ سعادت علی خان شجاع الدولہ کو طرح طرح سے مجبور کیا کہ وہ اپنے ملک کا پورا انتظام کمپنی کے حوالہ کر دے۔ یا کم از کم اس کا نصف حصہ ہی انگریزی کنٹن جنٹ کے اخراجات کے لیے دے دے، اور آخری زبردستی اسی دوسری بات کو منوا کر ۱۸۹۱ء میں علاقہ دوابہ پر قبضہ کر لیا، کرناٹک کے نواب محمد علی کے مرتے ہی اس کی ریاست پر قبضہ جمایا، اور جب اس کا بھائی اپنے حق سے دست بردار ہونے پر طیار نہ ہوا تو ایک

دوسرے دعویدار کو کھڑا کرکے اسے پنشن لے کر چپ ہو رہنے پر مجبور کر دیا' فرخ آباد کا نابالغ نواب بلوغ کو پہنچنے والا ہی تھا کہ زبردستی اس کی پنشن کر کے ریاست کو اپنے انتظام میں لے لیا۔ ۱۸۱۷ء میں مرہٹوں کی طوفانی قوت بھی غبار ہوگئی' پیشوا' بھونسلا کے وسیع علاقے بمبئی اور صوبہ متوسط کے ساتھ ملحق ہوگئے۔ سندھیا' ہلکر' گیکوٹر نے برطانی اطاعت قبول کر لی۔ اس کے بعد ۱۸۴۹ء میں پنجاب بھی قبضہ میں آگیا۔ اور پھر ۱۸۵۷ء میں وہ آخری کانٹا بھی نکل گیا جو اگرچہ ہندوستان پر انگریزی تسلط کی تکمیل میں کچھ بھی حارج نہ تھا مگر تاہم سنگ راہ تھا اور اس لیے وجہ خلش تھا۔